ترکوں سے اقبال کی ارادت مندی
اور
خلافت کے معاملے میں اقبال کا اختلاف

حلیمہ سعدیہ

یورپی اقوام جو صنعتی و سائنسی اعتبار سے نسبتاً ترقی یافتہ تھیں سترھویں صدی کے آغاز میں اپنے ممالک سے نکل کر ان ممالک پر جو کم ترقی یافتہ اور پسماندگی اور افلاس کا شکار تھے غاصبانہ قبضہ کرنے کے لیے کوشاں ہو گئیں چنانچہ مغربی استعماری قوتیں جلد ہی پسماندہ مشرقی ممالک کو اپنا محکوم بنانے میں کامیاب ہو گئیں۔ خاص طور پر وہ خطے جہاں پر مسلمان آباد تھے وہاں مغربی استعمار نے اپنے پنجے گاڑ لیے۔

اٹھارویں صدی کے آخر تک صورت حال کچھ یوں ہو چکی تھی کہ برصغیر پاک و ہند پر تو برطانوی حکومت نے اپنی گرفت مضبوط کر لی تھی اور سلطنت عثمانیہ جو تین براعظموں تک پھیلی ہوئی تھی وہ بھی یورپی اقوام کی ہوس ملک گیری کا شکار ہو رہی تھی چنانچہ اُنیسویں صدی تک ترکی اور ایران جیسے ممالک بظاہر تو آزاد تھے لیکن مغربی قوتوں کی سازشوں کے تحت آزادانہ قوتِ عمل کھو چکے تھے۔

ایشیا اور افریقہ کے بہت سے ممالک تو انیسویں صدی تک اپنی آزادی ہی سے محروم ہو چکے تھے ایسے میں ان عظیم مسلم ممالک کا یوں سازشوں کا شکار ہو جانا تمام سوچنے سمجھنے والے ذہنوں کو شدت سے متاثر کر رہا تھا چونکہ مشرق کے مختلف ممالک سیاسی و تہذیبی حوالوں سے ایک طرح کی صورت حال سے دو چار تھے اور مشکل دور سے گزر رہے تھے۔ اس لیے وہاں کے عوام خصوصاً اہل فہم و دانش کے افکار و نظریات میں مماثلت اور اشتراک ملتا ہے۔

چنانچہ اہل ترکی کے احساسات بھی وہی تھے جو ہندستان کے مسلمانوں کے تھے کہ اہل فرنگ کی راہزنی نے تمام مشرق کو جکڑ رکھا ہے اہل ترکی اور ہندستانی مسلمانوں کے درمیان تہذیبی اور فکری روابط کا سلسلہ ہمیشہ رہا ہے یہی وجہ ہے کہ جہاں شیخ احمد سرہندیؒ کے نظریات اور طریقہ نقش بندیہ مجددیہ سے ترک مسلمانوں نے بہت اثرات قبول کیے وہاں ہندستان کے مسلمان بھی مولانا جلال الدین رومی کے افکار و نظریات سے متاثر ہوئے اور علامہ محمد اقبال اس سلسلے میں ایک اہم نام ہے۔

علامہ محمد اقبال روحانی طور پر رومی کو اپنا پیر و مرشد مانتے ہیں اور ان کی تعلیمات سے متاثر ہونے کا برملا اعتراف کرتے ہیں۔

تو بھی ہے اِسی قافلۂ شوق میں اقبال
جس قافلۂ شوق کا سالار ہے رومی
اِس عصر کو بھی اُس نے دیا ہے کوئی پیغام؟
کہتے ہیں چراغ رہِ احرار ہے رومی[1]

اقبال جو کسی نہ کسی طور تہذیب مغرب کے فکری سیلاب کا مقابلہ کرتے رہے اس دور کی خامیوں کی نشاندہی اور ان خامیوں کو ختم کر کے خوبیوں میں تبدیل کرنے کے خواہاں تھے۔ اپنی نظم ''پیرومرشد''[۲] میں بھی مولانا ''جلال الدین رومی کے حوالے سے مکالمے کے انداز میں یہ بیان کرتے ہیں کہ اس عہد کی خامیوں کو کس طرح دور کیا جا سکتا ہے اور کس طرح مسلمان اپنے اسلاف اعلیٰ مرتبت سے راہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔ اسلامی ممالک میں جہاں بھی آزادی کی تحریکیں چل رہی تھیں اقبال ان میں گہری دل چسپی رکھتے تھے اور اُنھوں نے جو پیغام عالمِ اسلام کو دیا تھا وہ یہ تھا کہ بحیثیت ''مسلم قوم'' کے تمام مسلمانوں کو آزادی کی تحاریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے پورے عالم اسلام نے اقبال کے پیام اور افکار سے گہرے اثرات قبول کیے اور اس کے نتیجے میں اسلامی خطوں میں زندگی اور تحریک کی لہر دوڑ گئی۔

چنانچہ اقبال کے کلام میں مسلمانوں کو بحیثیت اُمت مخاطب کیا گیا ہے۔ مسلمان ممالک میں سے ترکی کو ایک ممتاز مقام حاصل ہے۔ خلافت عثمانیہ تمام مسلمانوں کی نظر میں عالمِ اسلام کی دینی روایت کا مرکز اور مسلم اتحاد و افتخار کی علامت تھی۔

ترکوں کی سلطنت عثمانیہ کی بنیاد ۱۳ ویں صدی عیسویں میں رکھی گئی اور اس کا بانی عثمان اول (۱۲۸۸ء......۱۳۲۶ء) تسلیم کیا جاتا ہے۔ مختلف یورپی علاقوں کی تسخیر کے بعد سلطان محمد فاتح (۱۴۵۱ء......۱۴۸۱ء) کے ہاتھوں ۲۹ مئی ۱۴۵۳ء کو قسطنطنیہ فتح ہوا اور اس تاریخی شہر کی فتح سلطنت عثمانیہ اور تمام اسلامی تاریخ میں ایک غیر معمولی اور یادگار واقعہ ہے۔

اس فتح سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیشین گوئی پوری ہوگئی کہ:۔

''خدا نے مجھے قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کی کنجیاں دے دی ہیں''

سلطان سلیم اول کے آٹھ سالہ مختصر دورِ حکومت میں عثمانی فتوحات کا دائرہ وسیع ہو گیا اور مصر شام اور حجاز بھی ترکوں کی سلطنت کا حصہ بن گئے۔ اس کے بیٹے سلیمان اعظم نے بھی ترکوں کی سلطنت کو عروج بخشا اور اس کی وفات پر سلطنت عثمانیہ کی حدیں ایک طرف دریائے ڈینیوب سے خلیج فارس تک اور دوسری طرف وسط ایشیا کے یوکرینی علاقے سے طرابلس اور الجزائر تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ۱۶۸۳ء میں دی آنا کی تسخیر میں ناکامی عثمانی زوال کا نقطۂ آغاز تھا۔ اور ۱۶۹۹ء میں معاہدہ کارلوئز کی رو سے ہنگری ان کے ہاتھ سے نکل گیا اس کے بعد ان کی حکومت بتدریج کمزور ہوتی چلی گئی[۳]۔

اقبال کے دور میں یہ مسلم سلطنت نہایت مشکل دور سے گزر رہی تھی۔ چنانچہ اقبال جو عالمی سیاست پر گہری نظر رکھے ہوئے تھے ترکی جیسی عظیم مسلم سلطنت کا دورِ انحطاط بھی اُن کی نظروں سے اوجھل نہ تھا یہی وجہ تھی کہ اس دور میں ترکی اقبال کی توجہ کا مرکز اور ان کے افکار کا محور بن گیا سلطنت عثمانیہ جس طرح اقوام مغرب کی سازشوں کا شکار ہو رہی تھی اقبال نے ان تمام مراحل و مسائل پر گہری

اور عالمانہ نظر رکھی اور اس مشکل مرحلے پر بہت سی نظمیں لکھ کر اہل ترکی کی جرأت و شجاعت کو داد تحسین دی۔ اٹلی نے دوسری یورپی طاقتوں سے عدم مداخلت اور غیر جانبداری کی یقین دہانی حاصل کرنے کے بعد ۲۸ ستمبر ۱۹۱۱ء کو ترکیہ کو چوبیس گھنٹے کا الٹی میٹم دے کر طرابلس اور سرے نائیکہ پر قبضہ کر لیا۔

ترکی کے پاس ایک مضبوط جنگی بیڑا نہیں تھا اس لیے وہ طرابلس کا دفاع نہ کر سکا۔ لیکن اس نے مقامی آبادی کو منظم کر کے اطالوی فوج کے خلاف برسرِ پیکار کر دیا اور کچھ علاقے واپس بھی لے لیے[۴]۔ سلطنت عثمانیہ کے یورپی اور افریقی حصوں پر ان یکبارگی یلغاروں نے استعمار میں جکڑی اسلامی دنیا کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

۹ نومبر ۱۹۱۱ء کو اکبرالہ آبادی کے نام خط میں اقبال لکھتے ہیں:۔

ترکوں کی فتح کا مژدہ جاں فزا پہنچا، مسرت ہوئی مگر اس کا کیا علاج کہ دل کو پھر بھی اطمینان نہیں ہوتا۔ معلوم نہیں روح کیا چاہتی ہے اور آنکھوں کو کس نظارے کی ہوس ہے۔ میں ایک زبردست تمنا کا احساس اپنے دل میں کرتا گو اس تمنا کا موضوع مجھے اچھی طرح سے معلوم نہیں ایسی حالت میں مجھے مسرت بھی ہو تو اس میں اضطراب کا عنصر غالب رہتا ہے[۵]۔

جنگ طرابلس کے دنوں میں ہندستانی مسلمانوں میں ترکی کے حق میں عظیم جوش و خروش موجود تھا۔ مولانا ظفر علی خان کا ''زمیندار'' مولانا ابوالکلام آزاد کا ہفت روزہ ''الہلال'' محمد علی کا انگریزی ہفت روزہ ''کامریڈ'' اور روزنامہ ''ہمدرد'' اور بہت سے دوسرے مسلم اخبارات اس بے چینی کے عکاس تھے۔ انگریزوں نے غلام ہندستان کے مسلمانوں کے ان جذبات کو پسند نہ کیا۔ چنانچہ ترکوں سے ہمدردی رکھنے والوں کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن مسلمان پھر بھی اپنے ترک بھائیوں کے ساتھ ہمدردی و یگانگت کے جذبات سے دستبردار نہ ہوئے۔

اقبال نے بھی عوام کے جذبات کو محسوس کیا۔ اور اپنے اشعار میں ان جذبات کی ترجمانی کی۔ بلقانی جارحیت کے حوالے سے ''جواب شکوہ'' میں کہتے ہیں:

ہے جو ہنگامہ بپا یورش بلغاری کا
غافلوں کے لیے پیغام ہے بیداری کا
تو سمجھتا ہے، یہ ساماں ہے دل آزاری کا
امتحاں ہے ترے ایثار کا، خود داری کا
کیوں ہراساں ہے صہیل فرسِ اعدا سے
نورِ حق بجھ نہ سکے گا نفسِ اعدا سے[۶]

غم و الم کی اس فضا میں اقبال نے کئی یادگار نظمیں لکھیں اور طرابلس و بلقان کے حادثات کے حوالے سے بھی اظہار تشویش کیا ''شکوہ'' ''جواب شکوہ'' اور شمع و شاعر اسی پس منظر میں لکھی گئی طویل

نظمیں ہیں۔

ان کے ہاں طرابلس کی جنگ کا تذکرہ بھی ملتا ہے اور ''فاطمہ بنت عبداللہ'' جیسی بہادر مجاہدہ کو خراج تحسین بھی:

فاطمہ تو آبروے امتِ مرحوم ہے
ذرّہ ذرّہ تیری مشت خاک کا معصوم ہے[۷]

یہاں ''امت مرحوم'' کہہ کر اقبال نے نہایت اختصار کے ساتھ لیکن بہت پر اثر انداز میں اُمت مسلمہ کی زوال پذیری کی طرف اشارہ کیا ہے اسی طرح جب ۱۹۱۲ء میں طرابلس کے عوام نے آگ اور خون کا دریا پار کر کے اطالوی فوجوں کو صرف ساحلی مقامات تک محدود کر دیا تو اقبال نے اپنی نظم ''حضور رسالت مآبؐ'' میں لکھا:

حضور دہر میں آسودگی نہیں ملتی
تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ہزاروں لالہ و گل ہیں ریاض ہستی میں
وفا کی جس میں ہو بو وہ کلی نہیں ملتی
مگر میں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں
جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی
جھلکتی ہے تری اُمت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں[۸]

اِسی زمانے میں اکتوبر ۱۹۱۲ء کو چار بلقانی ریاستوں یونان، سربیا، مانٹی نیگرو اور بلغاریہ نے ترکی کو اصلاحات نافذ کرنے اور بلقانی ریاستوں میں ترکی کی فوجی لام بندی واپس لینے کا الٹی میٹم دیا اور جب ترکی نے ایسا نہ کیا تو جنگ شروع ہوگئی اور یہ جنگ ترکوں کے لیے بہت تباہ کن ثابت ہوئی۔

اس تباہی کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ترک فوج سیاسی اختلافات کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی۔ جب ترک فوج ادرنہ میں محصور ہوگئی تو محاصرے کے دوران میں جنگ کے اخلاقی پہلو سے تعلق رکھنے والے ایک واقعہ کو اقبال نے اس طرح اشعار میں بیان کیا اور ''محاصرہ ادرنہ'' میں کہتے ہیں:

یورپ میں جس گھڑی حق و باطل کی چھڑ گئی — حق خنجر آزمائی پہ مجبور ہو گیا
گردِ صلیب' گردِ قمر حلقہ زن ہوئی — شکری حصار درنہ میں محصور ہو گیا
مسلم سپاہیوں کے ذخیرے ہوئے تمام — روئے اُمید آنکھ سے مستور ہو گیا
آخر امیر عسکر ترکی کے حکم سے — ''آئینِ جنگ'' شہر کا دستور ہو گیا
ہر شے ہوئی ذخیرۂ لشکر میں منتقل — شاہیں گدائے دانہ عصفور ہو گیا

لیکن فقیہہ شہر نے جس دم سنی یہ بات		گرما کے مثل صاعقہ طور ہو گیا
''ذمّی کا مال لشکر مسلم پہ ہے حرام''		فتویٰ تمام شہر میں مشہور ہو گیا
چھوتی نہ تھی یہود و نصاریٰ کا مال فوج		مسلم خُدا کے حکم سے مجبور ہو گیا[۹]

گویا اقبال کا دل اپنے مظلوم و مجبور ترک بھائیوں کے ساتھ دھڑکتا ہے اور وہ ہر قدم پر ان کے لیے عقیدت و تحسین کے جذبات رکھتے ہیں۔ اقبال نے قسطنطنیہ سے مسلمانوں کی جذباتی وابستگی کا ''بلاد اسلامیہ'' میں یوں اظہار کیا ہے:

خطہ قسطنطنیّہ یعنی قیصر کا دیار
مہدی اُمت کی سطوت کا نشان پایدار
اے مسلماں ملّتِ اسلام کا دل ہے یہ شہر
سیکڑوں صدیوں کی کشت وخوں کا حاصل ہے یہ شہر[۱۰]

ادرنہ کے علاوہ اور بہت سے یورپی علاقوں سے ترکی کو محروم ہونا پڑا البتہ قسطنطنیہ بچ گیا۔ ابھی ترکی حالات کی ان کروٹوں کا سامنا کر ہی رہا تھا کہ اسے جنگ عظیم اول (۱۹۱۴ء۔۱۹۱۸ء) میں کودنا پڑا۔ جنگ عظیم کے دوران انگریزوں نے سیاسی چالبازی کے ذریعے عربوں کو آزادی کا جھانسا دے کر ترکوں کے خلاف اُبھارا گورنر حجاز، شریف حسین انگریزوں کی سازشوں کا شکار ہو گیا اور عثمانیہ سلطنت کے خلاف بغاوت کر دی۔ علامہ اقبال نے شریف مکہ کے اس عمل کو پسند نہ کیا اور خفگی کا اظہار یوں کیا ''خضر راہ'' میں کہتے ہیں:۔

بیچتا ہے ہاشمی ناموس دین مصطفیٰ
خاک وخوں میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش[۱۱]

برصغیر کے مسلمانوں نے تحریک خلافت شروع کر دی اور ادارہ خلافت کی بحالی اور ترکوں کی آزادی کے حق میں بھرپور طریقے سے مہم چلائی۔

اقبال بعض وجوہ کی بنا پر اس تحریک کے حق میں نہ تھے ان کے نزدیک تحریک نے حصول مقصد کے لیے مناسب راہ اختیار نہیں کی تھی نیز تحریک کے انداز فکر و عمل سے غلامانہ تصور اخلاق اور دریوزہ گری کا انداز مترشح ہوتا تھا[۱۲]۔

چنانچہ اقبال نے اسے ناپسند کیا اور اس حوالے سے کہا:

اگر ملک ہاتھوں سے جاتا ہے، جائے
تو احکامِ حق سے نہ کر بے وفائی
نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا؟
خلافت کی کرنے لگا تو گدائی

خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے
مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشائی
''مرا از شکستن چناں عار ناید
کہ از دیگراں خواستن مومیائی''[۱۳]

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کہتے ہیں کہ اقبال کے لفظوں میں تحریکِ خلافت کیا تھی اہل مغرب سے خلافت کی بھیک مانگی جا رہی تھی۔ ان کے نزدیک ایسی خلافت جو مسلمانوں کے زورِ بازو کا نتیجہ نہ ہو بے معنی و مہمل تھی[۱۴]۔

اقبال ترکی میں ہونے والی تبدیلیوں کا بغور مشاہدہ کرتے تھے چنانچہ جب مصطفیٰ کمال نے خلافت کو ختم کر کے جمہوریت کا اعلان کیا تو اقبال نے اس عمل کو خلافت کے سلسلے میں اجتہادی عمل قرار دیا اور کہا کہ مصطفیٰ کمال نے حق خلافت امت مسلمہ کو واپس دلوا دیا۔ گویا خلافت جو شوریٰ کا حق ہے اس کو لوٹا دیا[۱۵]۔ نہ صرف اقبال کی شاعری میں بلکہ اگر اقبال کے انگریزی نثری مقالات بھی پیش نظر رکھے جائیں تو خلافت کا مسئلہ ایک اہم موضوع کی حیثیت سے اُبھرتا محسوس ہوتا ہے۔ ''طلوع اسلام'' میں بھی انگریزوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی فتح و کامرانی کا جشن منظوم ہے۔ اس دور میں اقبال نے بہت سی ایسی نظمیں لکھیں جن کا موضوع یہی ہے۔ ۱۹۲۲ء میں مصطفیٰ کمال پاشا نے ترکی کو انگریزوں کے غاصبانہ تسلط سے آزاد کرا لیا۔ ''طلوع اسلام'' کا چھٹا بند اس دور کے واقعاتی حوالوں سے لبریز ہے۔ اقبال ترکان عثمانی کو ''اپنا قافلہ'' قرار دیتے ہیں اقبال جہاں اہل ترکی کی آزادی کی جدوجہد کو سراہتے ہیں وہیں بعض نظموں میں انہوں نے مصطفیٰ کمال پاشا کی تجدد پسندی اور اصطلاحات جدیدہ کے روپ میں تقلید فرنگ پر تنقید بھی کی ہے اور ''جاوید نامہ'' میں ''فلک عطارد'' پر سعید حلیم پاشا کی زبان سے اقبال نے اپنے ان افکار کا اظہار کیا ہے:۔

مصطفیٰ کو از تجدّد می سرود
گفت نقش کہنہ را باید ز دود
نو نگردد کعبہ را رخت حیات
گر ز افرنگ آیدش لات و منات
ترک را آہنگ نو درچنگ نیست
تازہ اش جز کہنۂ افرنگ نیست[۱۶]

اقبال کے عہد میں ترکی ایک مشکل دور سے گزر رہا تھا بحیثیت مجموعی اس دور کی سیاسی صورتحال کچھ یوں تھی کہ سلطنت عثمانیہ کے بہت سے علاقے براہ راست برطانوی تسلط میں تھے۔ ایران پر عملاً روسی، برطانوی اور کچھ حد تک جرمن اثرات کی حکمرانی تھی۔ ادھر عرب نیشنلزم کے اثرات تیزی سے

پھیل رہے تھے۔

عرب ترکوں کے خلاف آمادۂ بغاوت تھے۔ نوجوان ترکوں کی تحریک کے زیر اثر ترکی میں لادینیت اور تورانی قوم پرستی فروغ پا رہی تھی۔ اندرونی خلفشار کے علاوہ بیرونی طاقتیں عثمانی سلطنت کے لیے نت نئے مسائل کھڑے کر رہی تھیں۔ صیہونی بھی سلطنت عثمانیہ کی بربادی اور خاتمے کے لیے سازشوں میں مصروف تھے۔

ہندی مسلمان یا تو کانگریس کے حاشیہ بردار تھے یا ایسے رہنما پائے جاتے تھے جو تہذیبی اور ثقافتی سطح پر مغرب سے بے حد مرعوب تھے۔ ملک پر انگریزوں کی سیاسی گرفت خاصی مضبوط تھی[۱۷]۔

اقبال کی اس دور کی شاعری میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاعر معترف ہے کہ مایوسی اور تاریکی کے اس دور میں بھی مسلمانوں کے دلوں میں ایمانی حرارت کی دبی دبی چنگاریاں سلگ رہی ہیں اور وہ اسلامی نشاۃِ ثانیہ کے لیے بے چین و مضطرب ہیں۔

علامہ اقبال کی ترکوں سے گہری وابستگی کا اظہار اُن کی شاعری میں بھرپور انداز میں ملتا ہے۔ اس حوالے سے حکیم نیرواسطی لکھتے ہیں:۔

> دوسری چیز جس کی بنا پر اقبال ترکی کا ممدوح اور مقبول شاعر ہے، قومی شاعری میں ترک شعرا کے ساتھ اس کے ملی وقومی جذبات واحساسات کی وہ ہم آہنگی ہے جو ترکی کے قادرالکلام اور آتش بیاں شعرا کے کلام میں پائی جاتی ہے[۱۸]

اقبال نے تحریک خلافت یا تحریک ترکِ موالات میں عملی حصہ تو نہ لیا لیکن شاعری پر ان واقعات نے اثرات مرتب کیے اور اسیری، خضر راہ، اور طلوعِ اسلام وغیرہ نظمیں اور ''پیام مشرق'' کی بعض نظمیں ان واقعات سے اثر پذیری کی غمّاز ہیں۔

''پیام مشرق'' کی ایک اہم نظم خطاب بہ مصطفیٰ کمال پاشا ایَّدَہ اللہ'' ہے جو جولائی ۱۹۲۲ء میں لکھی گئی ترکوں کے حوالے سے اقبال کی دلچسپی کی مظہر ہے۔

جہاں تک مصطفیٰ کمال کی تجدد پسندی پر اقبال کی تنقید کا تعلق ہے تو اس حوالے سے این میری شمل کا موقف کچھ اور ہی ہے۔

''جاوید نامہ'' کی مترجم این میری شمل اس کے مقدمے میں لکھتی ہیں:

> اقبال کو ترکی کو قریب سے دیکھنے اور مشاہدہ کرنے کا موقع نہ مل سکا چنانچہ وہ نہیں جان سکے کہ اتاترک کے انقلابات محض ملک میں پائے جانے والے انتہا پسند رویوں کے خلاف ایک جدوجہد ہے، نہ کہ اندھا دھند مغرب کی تقلید[۱۹]۔

بہرحال یہ بات یقینی ہے کہ اس دور میں امت مسلمہ کو جن مسائل اور مشکلات کا سامنا تھا، اقبال ہمیشہ اُن کے حل کے لیے دعا گو رہے۔ اُنہوں نے ترکوں کی جدوجہد آزادی کو بھی خراج تحسین پیش کیا

اور مسلمانوں کی حالتِ زبوں پر اظہار افسوس بھی کیا۔

اہل ترکی کے ساتھ اقبال کی گہری وابستگی ہی کا نتیجہ تھا کہ اقبال نے ترکی میں رونما ہونے والی تبدیلیوں پر گہری نظر رکھی اور ترکوں کی جہد آزادی کے ہر ہر مرحلے سے قلبی تعلق اور دلچسپی کا اظہار کیا۔

اقبال نے مختلف تخلیقات میں ان عصری حالات پر اپنے تاثرات کا اظہار کیا اور یہ تخلیقات اس بات کی مظہر ہیں کہ اقبال کا دل اپنے مظلوم و مجبور ترک بھائیوں کے ساتھ دھڑکتا ہے اور وہ ہر قدم پر ان کے لیے عقیدت و تحسین کے جذبات رکھتے ہیں۔

ترکوں کے ساتھ اقبال کی وابستگی خلافتِ عثمانیہ کے بارے میں ان کے اس مقالے سے بھی ظاہر ہوتی ہے جو قیام یورپ کے دوران اُنھوں نے لکھا اور ۱۹۰۸ء میں انگلستان میں شائع ہوا۔

خلافت عثمانیہ کے خلاف ردِّ عمل جو بلقان ریاستوں اور عرب ممالک نے شروع کر رکھا تھا، ۱۹۲۴ء میں اس وقت ختم ہوا جب اہل ترکی نے خلافت چھوڑ کر نئے جمہوری نظام کا آغاز کیا۔ اقبال نے اپنے انگریزی خطبے میں ترکوں کے اس اقدام کی تائید کی ہے جنگ کے دوران حکومت برطانیہ مسلمانوں کو یہ یقین دلاتی رہی کہ ترکی کے ساتھ منصفانہ سلوک کیا جائے گا۔

برطانیہ کے وزیر اعظم لائڈ جارج نے ۵ جنوری ۱۹۱۸ء کو سامراجی عزائم سے انکار کیا اور کہا کہ حکومت کا ایشیائے کوچک اور تھریسہ کے زرخیز ترک علاقوں پر قبضہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ قسطنطنیہ بدستور ترکیہ کا دارالحکومت رہے گا۔ گویا اس بیان سے یہ واضح ہوتا تھا کہ عرب علاقے تو چھین لیے جائیں گے لیکن ترک علاقوں پر قبضہ نہیں کیا جائے گا لیکن جب ۳ نومبر ۱۹۱۸ء کو ترکی نے متارکے کے سمجھوتے پر دستخط کر دیے تو برطانیہ نے اپنے سارے وعدوں کو بھلا دیا اور اُس نے اپنی فوجیں موصل میں داخل کر دیں۔ چنانچہ قسطنطنیہ میں بظاہر تو اتحادیوں کا، لیکن درحقیقت برطانیہ کا قبضہ ہو گیا[۲۰]۔ برطانیہ کے اس جارحانہ اقدام کے بعد یونان بھی ۱۵ مئی ۱۹۱۹ء کو ترک علاقے سمرنا میں داخل ہو گیا اور پھر تو سارے یورپ میں ہی ترکوں کے خلاف پروپیگنڈا شروع ہو گیا۔

چنانچہ اس دور میں برصغیر کے تمام مسلمانوں کی تمام تر توجہ ترکی اور خلافت پر مرتکز ہو گئی اور آل انڈیا خلافت کمیٹی کا قیام عمل میں آیا۔ اقبال بھی اس سلسلے میں وہی نقطہ نگاہ رکھتے تھے جو ہندستان کے مسلمانوں کا تھا۔

۱۵ دسمبر ۱۹۱۸ء کو لاہور میں سر مائیکل اوڈ وائر کی صدارت میں منعقد ہونے والے جلسہ فتح میں اقبال کو بھی شریک ہونا پڑا اس حوالے سے ایک دوست کے نام خط میں اقبال نے لکھا کہ:۔

> پولیٹیکل جلسوں میں کبھی شریک نہیں ہوا کرتا۔ اس جلسے میں اس واسطے شریک ہوا کہ ایک بہت بڑا مذہبی مسئلہ زیر بحث تھا[۲۱]۔

اقبال نے ۳۰ دسمبر ۱۹۱۹ء میں لاہور میں منعقد ہونے والے ایک جلسۂ عام میں (جس کی

صدارت میاں فضل حسین نے کی) نمایاں حصہ لیا اور یہ قرار داد پیش کی۔

مسلمانان لاہور اس جلسے میں اس عظیم پریشانی اور بے چینی کا اظہار کرتے ہیں جو پیرس کی صلح کانفرنس میں اب تک سلطنت عثمانیہ اور خلیفۃ المسلمین کے متعلق قابل اطمینان فیصلہ نہ ہونے سے لاحق ہوئی ہے اور حکومت کو وہ وعدے یاد دلاتے ہیں جو مسٹر لائیڈ جارج وزیر اعظم برطانیہ نے جنوری ۱۹۱۸ء میں تمام اسلامی دنیا سے سلطنت ترکی کے متعلق کیے تھے اور پیرس کی صلح کانفرنس کو ان اصولوں کی توجہ دلاتے ہیں جو (امریکی) پریذیڈنٹ ولسن نے اپنے اعلانوں میں قائم کئے تھے اور جن کی بنا پر اس عظیم الشان جنگ کا خاتمہ کیا گیا اور بہ اصرار تمام درخواست کرتے ہیں کہ جن اصولوں پر اتحادیوں نے اپنی عیسائی دشمن سلطنتوں سے قرار داد کی ہے انھی اصولوں پر مسلمان سلطنتوں سے بھی صلح سرانجام پانی چاہیے اور سلطنت عثمانیہ کے کسی حصے پر صراحتاً یا اشارتاً کسی دوسری سلطنت کا قبضہ نہیں ہونا چاہیے[۲۲]۔

اقبال نے اس قرار داد کے حق میں پر جوش تقریر بھی کی۔ گویا اقبال کی شعری تخلیقات ان کے خطوط اُن کے مقالے اور ان کی تقاریر میں جہاں بھی سلطنت عثمانیہ یا ترکوں کا ذکر ہے، وہاں بحیثیت مسلمان سلطنت عثمانیہ اور ترکوں کے لیے اقبال کے دل میں موجود ہمدردانہ جذبات کا بھرپور اظہار ملتا ہے۔

❁❁❁

حوالے اور حواشی

۱۔ محمد اقبال ڈاکٹر: ''بال جبریل''، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۸۴ء، ص ۱۴۹

۲۔ محمد اقبال: ''بال جبریل''، ص ۱۳۴

۳۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر: ''اقبال کی طویل نظمیں''، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۵ء، ص ۱۲

۴۔ عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر: ''سرگزشت اقبال''، اقبال اکادمی لاہور، طبع دوم ۱۹۹۶ء، ص ۹۴

۵۔ مظہر حسین برنی سید: ''کلیات مکاتیب اقبال''، پبلشرز، لاہور، جلد اول، ص ۲۱۹

۶۔ محمد اقبال ڈاکٹر: ''بانگ درا''، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۱۹۸۲ء، ص ۲۰۶

۷۔ محمد اقبال: ''بانگ درا''، ص ۲۱۴

۸۔ محمد اقبال: ''بانگ درا''، ص ۱۹۷

۹۔ محمد اقبال: ''بانگ درا''، ص ۲۱۶، ۲۱۷

۱۰۔ محمد اقبال: ''بانگ درا''، ص ۱۴۶

۱۱۔ محمد اقبال: ''بانگ درا''، ص ۲۵۷

۱۲۔ شفیق احمد، ڈاکٹر: ''اقبال اور ترکی''، ص ۹۴

۱۳۔ محمد اقبال: ''بانگ درا''، ص ۲۵۴

۱۴۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر: ''اقبال سب کے لیے''، ص ۱۳۲۔۱۳۳

۱۵۔ محمد یعقوب مغل، ڈاکٹر: ''اقبال اور ترکی''، ''اقبال ریویو''، حیدر آباد جنوری ۱۹۸۳ء ص ۲۱

۱۶۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر: ''اقبال کی طویل نظمیں''

۱۷۔ رفیع الدین ہاشمی ڈاکٹر: ''اقبال کی طویل نظمیں''

۱۸۔ حکیم نیرواسطی: ''اقبال کی مقبولیت ترکیہ میں''، ''سیارہ'' اقبال نمبر، فروری مارچ ۱۹۷۸ء، ص ۱۵۰

۱۹۔ این میری شمل، Cavidname (''جاوید نامہ'' کا ترکی ترجمہ) مقدمہ، ص xxxiv جلال سوئیدان ''ترکی میں مطالعۂ اقبال''، تحقیقی مقالہ برائے ایم اے اردو سیشن ۱۹۹۱......۱۹۹۳ء، اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی۔

۲۰۔ عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر: ''سرگزشت اقبال''

۲۱۔ شیخ عطا اللہ، ''اقبال نامہ''، جلد دوم، شیخ محمد اشرف لاہور، ۱۹۵۱ء، ص ۶۷۔۷۷۔ نیز: ''سرگذشت اقبال''، ص ۱۱۹

۲۲۔ عبدالسلام خورشید: ''سرگذشت اقبال''، ص ۱۱۹۔۱۲۰